Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

Dr Anwaar Ahmad's Sketching in "Yadgar Zamana Hain Jo Loag"

"یادگار زمانہ ہیں جو لوگ" میں ڈاکٹر انوار احمد کی خاکہ نگاری

Saima Iqbal[1*], Hina Iqbal[2], Sadia Baqir[3]
[1]Assistant Professor, [2,3]MPhil Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
Correspondence Email: saimaiqbal@gcuf.edu.pk

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

HEC approved in **Y** category.

Received: 02-05-2025
Accepted: 15-06-2025
Online: 09-07-2025

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2025 by the author(s).

Abstract

The analysis of Dr. Anwar Ahmed's book *"Yadgar Zamana Hain Jo Log"* reveals that he is a keen observer of human nature and a mature, truthful, and unbiased sketch writer. His writing style is characterized by a balance in expression, emotional sincerity, and a refined literary charm. He avoids both excessive admiration and demeaning satire, choosing instead a path of nuanced and respectful portrayal. His sentences are simple and fluent yet enriched with intellectual depth and artistic grace.

Throughout his sketches, one can detect a subtle sparkle of satire and a light essayistic tone, which lends freshness and avoids monotony. The defining feature of his work is realism; he presents both the virtues and flaws of his subjects with honesty and without bias. Dr. Anwar Ahmed's style masterfully blends simplicity, subtle expression, and fearless truth. His sketches reflect a deep respect for individuals alongside a commitment to literary integrity. His affectionate, emotionally engaging, and intellectually serious tone enhances the readability and impact of his portraits, making them rich in both content and craft.

Keywords:
Portrayal, Sketching, Dr Anwaar Ahmad, Yadgar Zamana Hain Jo Loag

"یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ "میں خلیل صدیقی، فرمان فتح پوری، عرش صدیقی، اصغر ندیم سید، ڈاکٹر سلیم اختر جیسے نمایاں اہل قلم کے خاکے شامل ہیں۔ خاکہ کے لغوی معنی ہیں ڈھانچہ بنانا، لکیر کھینچ کر نقشہ بنانا یا تصویر بنانا۔ انگریزی میں اسے Sketch کہتے ہیں۔ ڈاکٹر صابرہ سعید لکھتی ہیں:

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

"خاکہ ایک ایسی تصویر ہے جو کسی بت تراش یا مصور یا فوٹو گرافر کا عمل نہیں، اس تصویر کا خالق قلم کار ہوتا ہے۔ خاکہ کسی فرد واحد کی گم سم تصویر یہ ہنستی بولتی تصویر ہے جو ہمارے احساسات کو برانگیختہ کرنے کی قوت رکھتی ہے۔"(۱)

"یادگار زمانہ ہیں جو لوگ" میں ڈاکٹر انوار احمد نے مختلف اہم، معروف، اور دلچسپ شخصیات کے خاکے تحریر کیے ہیں جن سے ان کا تعلق رہا یا جنہوں نے ادب، تعلیم یا معاشرتی زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس میں کل ۳۵ خاکے شامل ہیں۔ یہ کتاب مثال پبلشرز، فیصل آباد نے ۲۰۰۸ء میں چھاپی۔

کتاب کا عنوان منتظر لکھنوی کے اس مشہور شعر سے ماخوذ لگتا ہے:

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ
سن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ

انوار احمد کا اندازِ تحریر شگفتہ، مشاہدے سے بھرپور اور تہذیبی حوالوں سے مزین ہوتا ہے۔ ان کے خاکے صرف شخصیات کے تعارف یا حالاتِ زندگی بیان نہیں کرتے بلکہ ان کی شخصیت کی پرتیں کھولتے ہیں اور قاری کو ان کے ساتھ ایک رشتہ قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد اپنی کتاب "یادگار زمانہ ہیں جو لوگ" میں خود اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے احمد ندیم قاسمی کی پیروی کی اور اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے قریبی تعلق داروں، دوستوں، استادوں، بزرگوں اور چند شاگردوں کے خاکے تحریر کیے ہیں۔ ان سب شخصیات کے ساتھ انوار احمد کی زندگی کے گہرے اور دیرپا تعلقات تھے، اور یہی قربت ان خاکوں کو صرف تعارفی تحریریں نہیں رہنے دیتی، بلکہ ایک سچا اور جذباتی اظہار بنا دیتی ہے۔ ظفر اقبال لکھتے ہیں:

" ڈاکٹر صاحب پکے ملتانی ہیں اور جن شخصیات کے یہ خاکے لکھے گئے ہیں ان کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے ملتان کے ساتھ ضرور بنتا ہے۔ ملتان ایک قدیم شہر ہے اور اس کی ایک پوری تاریخ اور تہذیب ہے' چنانچہ ان میں وہ افراد بھی شامل ہیں جنہوں نے ملتان کا پانی پیا اور مشہور ہو گئے اور جو اپنے طور پر مشہور نہیں ہو سکے انہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تصنیف لطیف کے ذریعے مشہور کر دیا ہے۔ مشہور ہو جانے والوں میں اصغر ندیم سید' عرش صدیقی' محسن نقوی' فرمان فتح پوری' ڈاکٹر سلیم اختر' فتح محمد ملک و دیگر ان شامل ہیں۔"(۲)

حضرت جی۔ بنام حسین بخش

ڈاکٹر انوار احمد کی خاکوں پر مبنی کتاب "یادگار زمانہ ہیں جو لوگ" کا پہلا خاکہ ان کے نانا، حسین بخش کے بارے میں ہے۔ اس خاکے میں مصنف نے اپنے خاندانی پس منظر، خاص طور پر ننھیال اور ددھیال کے درمیان کشیدگی کو نہایت سادگی مگر گہرے مشاہدے کے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

ساتھ پیش کیا ہے۔ نانا جی رسمی تعلیم یافتہ نہیں تھے، لیکن انہیں گلستانِ سعدی، مثنوی مولانا روم اور دیگر فارسی کتب پر ایسی دسترس حاصل تھی جو علمی ذوق اور مطالعے کی گہرائی کو ظاہر کرتی ہے۔

خاکہ نگار نے نہ صرف نانا اور نانی کے درمیان ہونے والی گھریلو چپقلش کو دیانت داری سے بیان کیا، بلکہ دادا اور پھر والد کی وفات کے بعد جائیداد کی تقسیم میں ہونے والی ناانصافی اور ددھیال کی طرف سے روا رکھے گئے رویے کو بھی بھرپور انداز میں رقم کیا ہے۔ اسی کشمکش کے باعث مصنف کا بچپن زیادہ تر نانا کے گھر میں گزرا، جس کا اثر ان کی شخصیت اور مزاج پر بھی پڑا۔ یہ خاکہ صرف ایک فرد کا تعارف نہیں بلکہ خاندانی، تہذیبی اور معاشرتی روابط کی پیچیدگیوں کا بیان بھی ہے، جس میں ذاتی تجربے کی سچائی اور جذبات کی تہ داری نمایاں ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "آخری دنوں میں وہ کافی اکیلے اور اداس تھے، ماموں اگر خرچ نہ بھجواتے تو کوئی احتجاج نہ کرتے۔۔۔ وہ شام یا رات کو دیا بھی نہ جلاتے۔ یہ میری بے روزگاری کے دن تھے، پھر بھی پوچھ بیٹھتا نانا جی! دیئے کے لیے تیل لا دوں؟ تو وہ عجب انداز میں کہتے ہر اندھیرے میں اتنی روشنی تو ہوتی ہے کہ سفر کا آخری مرحلہ نظر آتا رہے۔"(۳)
> جب وہ انتقال کر گئے تو کفن کے ساتھ ساتھ ایک کتبہ بھی ان کے پاس سے ملا جس پر لکھا تھا 'بہ نامِ حسین، بخش!"

بیگم بی بی بقلم خود

ڈاکٹر انوار احمد کے خاکے "بیگم بی بی بقلم خود " میں ماں کا کردار ایک ایسی عورت کا ہے جو زندگی بھر دکھ سہتی ہے، مگر کبھی شکوہ نہیں کرتی۔ شوہر کی اچانک موت کے بعد وہ نہ صرف بیوہ ہو جاتی ہے، بلکہ گھر سے نکال دی جاتی ہے، وراثت سے محروم رہتی ہے اور شدید غربت کا سامنا کرتی ہے۔ یہ سب کچھ اس کی زندگی کو کرب اور تنہائی میں بدل دیتا ہے۔ ماں نے حالات سے لڑنے کی کوشش کی، اور دوسری شادی کا فیصلہ کیا، جو اس زمانے میں عورت کے لیے ایک مشکل قدم تھا۔ مگر یہ فیصلہ بھی اس کے لیے آسان نہ تھا، کیونکہ بیٹے نے ناراضی ظاہر کی۔ اس ناراضی نے ماں کو اور زیادہ دکھ دیا۔

ڈاکٹر انوار احمد نے اپنی ماں کی زندگی کو بہت سچائی اور درد کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے دکھایا ہے کہ ماں صرف محبت دینے والی ہستی نہیں ہوتی، بلکہ وہ برداشت، صبر اور قربانی کی تصویر بھی ہوتی ہے۔ ماں کا دکھ صرف غربت یا تنہائی نہیں تھا، بلکہ اپنوں کی ناراضی بھی اس کے لیے ایک بہت بڑا درد تھی۔ یہ خاکہ ہمیں بتاتا ہے کہ ایک عورت، خاص طور پر ماں، اپنی زندگی میں بہت کچھ سہتی ہے، اور اس کے جذبات کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کی خاموشی اور قربانیوں کو بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ میری ماں نے دوسری شادی کر لی اور میں نے ان سے بول چال اور ملنا بھی چھوڑ دیا، وہ کبھی کبھار میرے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

سکول کے راستے میں آ کر بیٹھ جاتی تھیں، میں انہیں دیکھ کر راستہ بدل لیتا تھا۔۔۔"(۴)

آخر میں لکھتے ہیں:

"جب میں اپنی ماں کے آخری وقت میں پہنچا تو انہیں فالج کا شدید حملہ ہوا تھا، سبھی نے بتایا کہ وہ کل رات سے ہاتھ پاؤں اور زبان کو بھی جنبش نہیں دے سکتیں۔ مگر جب ان کے کان کے قریب جا کر ایک دو باتیں کیں تو انہوں نے آنکھیں کھولیں، اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا، یہ شاید ساتھی مزدوروں کا کوئی عہد و پیماں تھا۔"(۵)

عرش صدیقی۔ شعور و ادراک کے پرچارک ایک جذباتی انسان

ڈاکٹر انوار احمد کا خاکہ عرش صدیقی پر نہایت اہمیت کا حامل ہے، جو صرف ایک شخصی خاکہ نہیں بلکہ ملتان کے ادبی منظر نامے کا ایک تاریخی مطالعہ بھی بن جاتا ہے۔ اگرچہ مصنف ان کے براہ راست شاگرد نہیں رہے، مگر انہوں نے ہمیشہ عرش صدیقی کو استاد، رہنما اور فکری شخصیت کے طور پر دیکھا۔ خاکے میں مصنف نے ان کی شخصیت کے کئی نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، جن میں جذباتی مزاج، توجہ کی طلب، روشن خیالی، اخلاقی اصولوں سے وابستگی، اور محنت کا جنون شامل ہیں۔

عرش صدیقی کی ادبی شناخت دو سطحوں پر ہے۔ ایک طرف وہ ایمرسن کالج میں انگریزی زبان و ادب کے استاد اور بعد ازاں رجسٹرار بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے منصب تک پہنچنے والی انتظامی شخصیت ہیں، تو دوسری طرف وہ ملتان کی ادبی تحریکوں اور شعری رجحانات کے روحِ رواں بھی ہیں۔ ان کی خدمات صرف تدریسی نہیں بلکہ فکری، تنظیمی اور تخلیقی بھی تھیں۔ جدید نظم پر ان کا کام اور شعری ذوق اس بات کا گواہ ہے کہ وہ روایت سے جڑے رہ کر بھی جدید ادب کے امکانات سے باخبر تھے۔

ان کا افسانوی مجموعہ "باہر کفن سے پاؤں ہے" نہ صرف ان کے فکری رجحان کا عکاس ہے بلکہ ایک علامتی جملہ بھی بن جاتا ہے، جو معاشرتی بے چینی، تہذیبی ٹوٹ پھوٹ اور انسانی وجود کے عدم تحفظ کو بیان کرتا ہے۔ اس عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محض روایتی بیانیے کے قائل نہیں تھے بلکہ زندگی کے اندرونی تضادات کو فن کے ذریعے ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر انوار احمد نے عرش صدیقی کی شخصیت کو جذباتی عقیدت سے پیش کرنے کے بجائے تجزیاتی، متوازن اور فکری انداز میں لکھا ہے، جو اس خاکے کو محض سوانحی تحریر سے بڑھا کر ادبی تنقید اور تہذیبی مطالعے کی سطح پر لے آتا ہے۔ یہ خاکہ ہمیں بتاتا ہے کہ عرش صدیقی صرف ایک فرد نہیں، بلکہ ملتان کی علمی و ادبی تاریخ کا ایک اہم باب تھے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"ملتان میں جدید ادبی و شعری رجحانات کی ترویج میں جتنا اہم کردار عرش صدیقی کا ہے، شاید ہی کسی اور کا ہو۔ تخلیق، تدریس اور مجلس تینوں سطحوں پر انہوں نے اپنے معاصرین، احباب اور شاگردوں کو جدید نظم کی جانب

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

مائل کیا۔۔۔ہمیشہ نو مشقوں کا حوصلہ بڑھایا۔۔۔عرش صدیقی اس اعتبار سے خوش نصیب تھے کہ ان کی مخالفت بھی خوب ہوئی اور انہیں احترام بھی خوب ملا۔"(۶)

ڈاکٹر بختیار احمد اشرف۔ایک خوش لباس اور خوش خیال ترک

ڈاکٹر انوار احمد کا خاکہ ڈاکٹر احمد بختیار اشرف پر ایک دل چسپ اور فکری طور پر متنوع شخصیت کا مطالعہ پیش کرتا ہے، جو ادب، تدریس، تحقیق، اور تہذیب کا ایک حسین امتزاج ہے۔ مصنف نے انہیں مزاح، محبت اور علمی اپنائیت کے ساتھ یاد کیا ہے، اور ان کے دراز قد اور خوش رو چہرے کی بنیاد پر انہیں مزاحاً "ترک" کا لقب دیا ہے۔ جو نہ صرف ان کی شکل و صورت بلکہ ان کی زندگی کے تہذیبی جھکاؤ کی بھی نمائندگی کرتا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ واقعی ترکی میں گزارا اور اس ثقافت کو دل سے اپنایا۔

ڈاکٹر بختیار اشرف ملتان سے تعلق رکھنے والے ایک کثیر الجہات ادبی شخصیت تھے۔ مصنف کے مطابق ان میں حسن، صداقت اور احساسِ رفاقت نمایاں طور پر موجود تھے، اور یہی خوبیاں انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی تھیں۔ ان کا عورتوں سے انسلاک محض رومانی جھکاؤ نہیں بلکہ ایک نفسیاتی اور جمالیاتی دلچسپی کی صورت میں سامنے آتا ہے، جسے مصنف نے غیر متعصب انداز میں بیان کیا ہے۔

تحقیقی میدان میں ان کی پی ایچ ڈی کا موضوع "اردو ڈرامے کا ارتقاء (خصوصی مطالعہ: حکیم احمد شجاع) "ان کی تنقیدی گہرائی اور موضوعاتی انفرادیت کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایم اے کے دوران لکھا گیا مقالہ "آغا حشر اور ان کا فن "اردو تھیٹر اور کلاسیکی ڈرامے سے ان کی دلچسپی کا ثبوت ہے۔ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا دائرہ کالم نگاری، افسانہ نویسی، اور سفر نامہ نگاری تک پھیلا ہوا ہے، جب کہ ترکی-اردو لغت پر ان کا کام دونوں زبانوں کے مابین ایک لسانی اور تہذیبی پل کا درجہ رکھتا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "ان سے میرا تعلق چار عشروں محیط ہے اور یہ تعلق شاگردوں، مداح اور رفیق کار کے رسمی مرحلوں میں منقسم ہے، میں ان برسوں کا حوالہ دے کر اپنی بات کی ساکھ نہیں بڑھانا چاہتا، کیونکہ کبھی عمریں بیت جاتی ہیں اور کچھ لوگ اور کچھ رشتے سمجھ میں نہیں آتے اور کبھی ایک لمحہ ساری خبر دے جاتا ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اشرف کو پہلی مرتبہ دیکھ کر ہی اس کے سراپا محبت اور پیکرِ اخلا ہونے کا جو تاثر قائم ہوا تھا، وہ آج تک بر قرار ہے۔"(۷)

ڈاکٹر انوار احمد نے ان کے ساتھ چار دہائیوں پر محیط تعلق کو نہ صرف ذاتی عقیدت بلکہ ایک علمی، ادبی اور ثقافتی رفاقت کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ کبھی شاگرد بنے، کبھی مداح، اور کبھی رفیق کار۔ یہی کثیر جہتی تعلق اس خاکے کو محض تعارفی خاکہ نہیں رہنے دیتا، بلکہ اسے یادداشت اور خراجِ تحسین کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر بختیار اشرف ایک ایسی شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں جو اپنی

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

تحقیقی ذہانت، تہذیبی نفاست، اور تخلیقی وسعت کے باعث اردو ادب میں ایک خاص مقام کے مستحق ہیں۔

ہمارا پپو، اصغر ندیم سید۔ ایک شاعر کی واپسی

ڈاکٹر انوار احمد کا خاکہ اصغر ندیم سید پر ایک ایسی متحرک، ہمہ جہت اور تہذیبی طور پر پیچیدہ شخصیت کی تصویر پیش کرتا ہے جو بیک وقت شاعر، مترجم، ڈراما نگار، استاد اور عوامی دانشور کے طور پر اپنی شناخت رکھتی ہے۔ اس خاکے میں مصنف نے نہایت بے باکی سے دولت، شہرت اور عورت کے حوالے سے اُن کی زندگی کے سفر کو بیان کیا ہے اور اس مشاہدے کو پیش کیا ہے کہ عام طور پر ایسے افراد تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر اصغر ندیم سید اس سے مختلف نکلے، وہ آج بھی دوستوں، شاگردوں، ادیبوں، میڈیا اور اشرافیہ میں یکساں مقبول ہیں۔ یہ پہلو انہیں محض تخلیقی شخصیت کے بجائے سماجی سطح پر فعال اور مؤثر فرد کے طور پر نمایاں کرتا ہے۔

> "دولت، شہرت اور عورت کے حوالے سے کامیابیوں کا سفر طے کرنے والا عموماً تنہا ہو جاتا ہے، مگر اصغر ندیم سید ابھی بھی دوستوں، طالب علموں، ادیبوں، میڈیا کے لوگوں اور اشرافیہ میں بہت مقبول ہے۔"(۸)

خاکے میں ان کی دو شادیاں اور عورتوں سے جذباتی انسلاک کو بھی دیانت داری سے پیش کیا گیا ہے، لیکن اس انداز میں کہ یہ تحریر ذاتیات کی سطح پر اترنے کے بجائے کردار کی نفسیاتی اور سماجی ساخت کو سمجھنے کی کوشش بن جاتی ہے۔ یہ نسائی حوالہ محض رومانی یا جذباتی رخ پر نہیں، بلکہ ایک فنی اور فکری ربط کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک تخلیق کار حسن، رفاقت اور محبت کو زندگی کے جمالیاتی اظہارات کے طور پر برتتا ہے۔

مصنف نے اصغر ندیم سید کی ادبی تربیت، خاص طور پر جدید نظم سے وابستگی اور ان کے والد کی شخصیت جن میں جلال اور وقار نمایاں تھا، کو ان کی شخصیت کی تشکیل میں اہم قرار دیا ہے ان کی نظم گوئی، ترجمہ نگاری اور ڈراما نویسی صرف اصناف کی فہرست نہیں بلکہ ان کی متعدد جہتوں والی شخصیت کا مظہر ہے۔ یہ خاکہ اصغر ندیم سید کو نہ صرف ایک ادبی و تخلیقی شخصیت کے طور پر پیش کرتا ہے بلکہ ایک عہد ساز فرد کی صورت میں بھی دکھاتا ہے، جو روایت اور جدیدیت، ذاتی زندگی اور عوامی کردار، جذبات اور فکر سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد نے اس خاکے کو جذباتی اور فکری توازن کے ساتھ تحریر کیا ہے، جس سے قاری کو انسان اور فنکار دونوں کی جھلک بیک وقت دکھائی دیتی ہے۔

فرمان فتح پوری۔ اردو علم و ادب کا ایک رومانوی کردار

ڈاکٹر انوار احمد نے فرمان فتح پوری کے بارے میں جو خاکہ لکھا ہے، وہ صرف ایک ادیب یا نقاد کی بات نہیں کرتا بلکہ ایک محبت کرنے والے، علم دوست اور اخلاص سے بھرے انسان کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ خاکے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرمان فتح پوری نہ صرف

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

علم کے میدان میں کامیاب تھے بلکہ اپنے شاگردوں، دوستوں اور رشتہ داروں سے بھی بہت محبت اور خلوص سے پیش آتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ پڑھنا، لکھنا اور ادب کی خدمت کرنا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ تنقید کے میدان میں اب بھی بہت کام کی گنجائش ہے، اور ہمیں دوسروں پر تنقید کرنے کی بجائے اپنے حصے کا کام کرنا چاہیے۔ یہ بات ان کے عملی سوچ اور مثبت رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ فرمان فتح پوری دن بھر لوگوں سے ملتے جلتے، پڑھاتے اور ادب پر گفتگو کرتے، اور رات کو تنہائی میں لکھتے اور مطالعہ کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں بیوی کے ساتھ محبت کا ذکر بھی بہت خوبصورتی سے آیا ہے، جو ان کے ذاتی اور گھریلو رشتوں میں توازن کو ظاہر کرتا ہے۔

انہوں نے نیاز فتح پوری سے کیا گیا وعدہ نبھاتے ہوئے رسالہ "نگار " کو باقاعدگی سے جاری رکھا، جو ان کے عزم اور وفاداری کا ثبوت ہے۔ سب سے خاص بات یہ کہ وہ کسی کو بھی نظریاتی بنیاد پر رد نہیں کرتے تھے، چاہے وہ دائیں بازو کا ہو یا بائیں بازو کا، وہ ہر ایک سے محبت اور عزت سے پیش آتے تھے۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "میں جب کراچی قبرستان میں فرمان صاحب کی قبر پر نم ناک آنکھوں کے ساتھ فاتحہ پڑھ رہا تھا تو ہماری علمی و ادبی دنیا کے اس فیض رساں کردار کی ساحری کے کئی پہلو یاد کر رہا تھا کہ انہوں نے مجھ جیسے کئی طالب علموں کو کبھی نادم کر کے، کبھی اشتعال دلا کر اور زیادہ پابند کر کے پی ایچ ڈی کے مقالات کی تکمیل کرائی۔۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملتان، بہاول پور اور کراچی کے مابین ایک قلبی اور ادبی رشتہ قائم کر دیا۔"(۹)

یہ خاکہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ایک اچھے انسان کے لیے صرف علم کافی نہیں، بلکہ خلوص، سچائی، اور دوسروں کے لیے نرم دلی بھی ضروری ہے۔ فرمان فتح پوری کی زندگی علم، عمل اور محبت کا حسین امتزاج تھی، جسے ڈاکٹر انوار احمد نے بہت خوبصورتی اور سادگی سے پیش کیا ہے۔

آسمان بیلن کے لیے۔ زمیں زاد کے چند محبت بھرے حروف

ڈاکٹر انوار احمد کا خاکہ "آسمان بیلن کے لیے۔ زمیں زاد کے چند محبت بھرے حروف " اردو خاکہ نگاری میں ایک منفرد، بین الثقافتی اور جذباتی رنگ لیے ہوئے تحریر ہے۔ آسمان بیلن نہ صرف ایک طالبہ یا ادبی محقق ہے بلکہ ایک جستجو کرنے والی روح ہے، جو مختلف ثقافتوں میں گھل مل کر بھی اپنی انفرادی شناخت کو قائم رکھتی ہے۔ مصنف نے آسمان کو ایک ایسی شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے جو علم سے محبت، مزاج کی خودداری، اور زندگی کی سنجیدگی و شگفتگی کو ایک ساتھ لے کر چلتی ہے۔

آسمان بیلن کی شخصیت میں ترکی کی ثقافت، ہندستانی و پاکستانی تہذیب اور مغربی معاشرت کے اثرات پائے جاتے ہیں، لیکن وہ ہر

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

ماحول میں اپنی انفرادیت اور ادبی شعور کے ساتھ نمایاں رہتی ہے۔ مصنف کے ساتھ اس کا تعلق صرف شاگردی کا نہیں، بلکہ رفاقت اور فکری ہم آہنگی کا بھی ہے۔ اس کی علمی لگن، زبانوں پر عبور (اردو، ہندی، انگریزی)، اور مستقل مزاجی اسے ایک مثالی طالب علم بناتی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "آسمان بیلن ایک مضطرب روح ہے، ترکوں میں سراپا ترک، پاکستانیوں میں، ہندیوں میں اور حتیٰ کہ انگریزوں میں وہ اسی ثقافتی ہجوم میں جذب ہو جائے گی مگر اپنی پہچان برقرار رکھے گی۔"(۱۰)

آسمان کی سگریٹ سے نفرت، کفایت شعاری، اور زندگی کے چیلنجز کے باوجود زندہ دلی کا مظاہرہ، اس کی داخلی مضبوطی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ نہ صرف پروین شاکر پر پی ایچ ڈی کرنے کے لیے پاکستان آتی ہے بلکہ مختلف طبقوں، زبانوں اور لوگوں سے براہ راست مکالمہ کرتی ہے۔ یہ مکالماتی انداز اس کی تحقیقی سنجیدگی اور بین الثقافتی فہم کا مظہر ہے۔

اس خاکے کا ایک اور اہم پہلو آسمان کی ذاتی زندگی ہے۔ اس کی شادی، بیٹی کی پیدائش اور بعد میں کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہونا، مصنف نے بے حد سادگی، احترام اور محبت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کی تحریر یہاں محض ایک ادیب کی نہیں، بلکہ ایک دعا گو دوست کی تحریر بن جاتی ہے۔

ادبی لحاظ سے یہ خاکہ نہ صرف ایک فرد کی زندگی کا بیان ہے بلکہ ثقافتوں کے ملاپ، علم کے سفر، عورت کے عزم، اور رشتوں کی پاکیزگی کا حسین امتزاج ہے۔ آسمان بیلن ایک علامت بن کر ابھرتی ہے ۔ اس عورت کی جو حالات سے نہیں گھبراتی، جو علم کے لیے سرحدیں پار کرتی ہے، اور جو زندگی کی سختیوں میں بھی مسکراہٹ کے پہلو تلاش کرتی ہے۔ شاہ محمد مری لکھتے ہیں:

> "یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ" نامی اس کتاب میں شخصیات کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس میں شان دار لوگ شامل ہیں:
> خلیل صدیقی، عرش صدیقی، فرمان فتح پوری، مرزا ابنِ حنیف، مہر گل محمد، اصغر ندیم سید، ڈاکٹر سلیم اختر،۔۔۔
> ۲۲۸ صفحات ضخیم اس کتاب کے عنوانات ہی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی تحقیق کا میدان کتنا وسیع اور متنوع ہے۔"(۱۱)

ڈاکٹر انوار احمد کی کتاب "یادگار زمانہ ہیں جو لوگ " میں شامل تمام خاکوں کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ ڈاکٹر انوار احمد نہ صرف شخصیت شناس ہیں بلکہ ایک سچے، غیر جانبدار اور فنی طور پر پختہ خاکہ نگار بھی ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد کا اسلوب بیان میں توازن، جذبات میں سچائی، اور زبان میں شگفتگی رکھتا ہے۔ وہ نہ تو حد سے زیادہ عقیدت میں ڈوب کر مبالغہ کرتے ہیں، نہ ہی طنز و مزاح کے پردے میں شخصیت کو کم تر دکھاتے ہیں۔ ان کے جملے رواں اور عام فہم ہیں، مگر ان میں ادبی لطافت اور فکری تہہ داری بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر "بیگم

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 2 (2025)

بی بی بقلم خود" میں ماں کے جذبات کو سادہ الفاظ میں بیان کیا گیا، مگر وہ سچائی قاری کے دل تک اترتی ہے۔ کئی جگہوں پر ڈاکٹر انوار احمد کے جملوں میں ہلکی سی طنز کی چمک اور انشائیہ طرز کی خوشبو محسوس ہوتی ہے، جو خاکے کو بوجھل نہیں ہونے دیتی۔ مثلاً "ڈاکٹر بختیار اشرف کو ترک کہنا" ایک فکاہیہ انداز بھی رکھتا ہے مگر توہین نہیں بنتا۔ چاہے وہ آسمان بیلن کا ذکر ہو یا عرش صدیقی کی بات، مصنف ہر شخصیت کو اس کی تہذیبی پہچان، فکری شناخت اور جمالیاتی رویے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ زبان اور کلچر کے تناظر میں خاکے کی روح کو ترتیب دیتے ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد کی خاکہ نگاری کی سب سے نمایاں خوبی ان کی حقیقت پسندی ہے۔ وہ شخصیت کے منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کو دیانت داری سے پیش کرتے ہیں۔ خواہ وہ اصغر ندیم سید کی دو شادیاں ہوں، یا بیگم بی بی کی مجبوریوں پر بیٹے کی ناراضی، یا عرش صدیقی کی توجہ طلب طبیعت، مصنف ان پہلوؤں کو خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں، بغیر لگی لپٹی کے، مگر ادب و احترام کے ساتھ۔

یہ خاکے صرف فرد کے نہیں بلکہ زمانے، مقام اور معاشرے کے آئینے بھی ہیں۔ بیگم بی بی کا خاکہ خواتین کی معاشرتی بے بسی کو دکھاتا ہے، آسمان بیلن کا خاکہ ایک بین الثقافتی زندگی کی جھلک دیتا ہے، جب کہ فرمان فتح پوری کا خاکہ اردو تحقیق کی سنجیدگی کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد کی خاکہ نگاری میں اسلوب کی سادگی، بیان کی لطافت، اور حقیقت کی بے خوفی ایک ساتھ چلتی ہے۔ ان کے ہاں شخصیت کا احترام بھی موجود ہے اور ادبی دیانت داری بھی۔ ان کا اسلوب محبت آمیز، فکری طور پر سنجیدہ اور جذباتی طور پر اثر انگیز ہے، جب کہ حقیقت نگاری میں وہ کسی تعصب یا مصلحت کے بغیر شخصیت کی روشنی اور سائے دونوں دکھانے کی جرات رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱. صابرہ سعید، ڈاکٹر، اردو میں خاکہ نگاری، حیدر آباد، شعر و حکمت، ۱۹۷۸، ص:۳۶

2. https://dunya.com.pk/index.php/column-detail-print/13722

۳. انوار احمد، ڈاکٹر، یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۰۸، ص:۲۲

۴. ایضاً، ص:۲۶

۵. ایضاً، ص:۲۷

۶. ایضاً، ص:۴۰

۷. ایضاً، ص:۵۵

۸. ایضاً، ص:۵۸

۹. ایضاً، ص:۱۲۲

10. https://www.sangatacademy.net/cms/?p=1017

References

1. Saeed, S., Dr. (1978). *Urdu mein khākha nigārī*. Hyderabad: Shu‘r o Hikmat, p. 36.
2. https://dunya.com.pk/index.php/column-detail-print/13722
3. Ahmad, A., Dr. (2008). *Yādgār-i zamāna hain jo log: Faisalabad*. Misāl Publishers, p. 22.
4. Ibid., p. 26.
5. Ibid., p. 27.
6. Ibid., p. 40.
7. Ibid., p. 55.
8. Ibid., p. 58.
9. Ibid., p. 122.
10. https://www.sangatacademy.net/cms/?p=1017